ارشاد

دین کی بنیاد یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود کسی حادثہ کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوئی بلکہ کوئی ارادہ وعلم وحکمت والا ہے جس نے حکمتوں، مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کو پیدا کیا ہے اور یہ عقیدہ خود انسان کے دل، ضمیر اور وجدان سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ کسی ہادی کی (انبیاء کا کام فطرت کے تقاضے کو صحیح سمت پر لگانا ہے) انسان میں ہر طرح کے عوامل و محرکات ہوتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے محرکات خود ذات میں پائے جاتے ہیں پہلے کی مثال ہیں بولیاں اور لباس وغیرہ اور دوسرے کی مثال جنسی خواہشات، جذبۂ تحفظ نفس ہیں پہلے کو عادی امور کہا جاسکتا ہے اور دوسرے کو فطری۔

فطرت کی پہچان

عادی امور زمانہ، حالات اور ماحول کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری زبان اردو صرف ڈیڑھ دوسو برس میں اتنی بدلی کہ ایک صدی پہلے کے لب ولہجہ، محاورے اور طرز تخاطب آج سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے۔ پھر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں چلے جانے پر بھی اسی زبان میں تغیر ہوجاتا ہے۔ یہ ایک زبان کی بات ہے جب ہمارے ملک میں بہت سی بولیاں ہیں پھر جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہیں تو صرف زبان ہی نہیں، لباس، رہن سہن، رسم ورواج سب بدل جاتے ہیں لیکن جنسی خواہش، بھوک، پیاس اور تحفظ نفس کا جذبہ ہر جگہ ملے گا۔ اس لئے کہ پہلی باتیں عادت اور ماحول سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا بدل جاتی ہیں اور دوسری باتوں کا تعلق فطرت سے ہوتا ہے لہٰذا تبدیل نہیں ہوتیں۔

فطرت اور عادت کو پرکھنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) کسی ایک قوم کی تاریخ کے ورق برابر پلٹے جاتے رہیں اور دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سی چیز بدلتی رہی اور کون سی چیز اپنی جگہ قائم رہی۔ جو بدلتی رہی ان کا تعلق ماحول سے تھا اور جو تاریخ کے ہر ورق میں قائم رہیں وہ فطرت کی طلب تھی۔ (۲) ایک ہی زمانہ میں مختلف قوموں کے حالات کو دیکھا جائے کہ ان میں متمدن غیر متمدن، ترقی یافتہ، پسماندہ لوگوں کو دیکھا جائے کہ ان میں کیا چیز مشترک ہے اور کیا بدلتی رہتی ہے، جو مشترک ہے وہ فطری ہے اور جو بدلتی رہتی ہے اس کا تعلق عادت سے ہے۔ اگر چہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی دن فاقے کرنے سے بھوک مرجاتی ہے اور مسلسل نفس کشی سے خواہش ختم ہوجاتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں کی طلب فطری نہ تھی۔ بلکہ ایسے موقع پر عادت فطرت پر غالب آجاتی ہے

(علمبردار اتحادِ بین المسلمین صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد نقوی رحمت مآب)